اسلام اور غیر مسلموں سے تعلقات

(ایک تحقیقی جائزہ)

ڈاکٹر محمد افضل

انسان اور تعلقات

انسان مدنی الطبع ہونے کے ناطے ہمیشہ دوسروں سے تعلقات استوار کرنے کا محتاج رہا ہے تاکہ اس کے تمام ذاتی اور اجتماعی مفادات آسانی کے ساتھ پورے ہو جائیں۔ مسلمانوں سمیت آسمانی ادیان کے پیروکاروں میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ صرف خدا کی ذات ہی کسی کی محتاج نہیں ہے۔ جتنی بھی مخلوقات اس دنیا میں موجود ہیں وہ زندگی میں مکمل خود کفیل نہیں ہیں۔ زندگی کے کسی نہ کسی گوشے میں تشنگی رہ جاتی ہے۔ اسی انحصار اور محتاجی کی وجہ سے اقوام ایک دوسرے کے قریب آجاتی ہیں۔ معاشی، مالی اور تکنیکی ضروریات کے علاوہ اور بھی ضروریات ہوتی ہیں جیساکہ ہر انسان اپنی علاقائی سالمیت اور آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے اور اپنی آزادی کا دفاع اور حفاظت کرنے کی خاطر کسی نہ کسی شعبے میں دوسروں کا محتاج رہتا ہے۔

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا فرد ہو جس کا کوئی دشمن نہ ہو۔ حکومتوں کی طرح افراد کے درمیان بھی کشیدگی اور دشمنی موجود رہتی ہے، جس کے سبب ان کے باہمی تعلقات نشیب و فراز کا شکار رہتے ہیں۔ ایسے حالات میں افراد کو بہتر تعلقات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور جہاں تک انسان کی وسعت میں ہو تعلقات کو درست سمت کی جانب گامزن کیا جا سکتا ہے۔ جھگڑوں کو بہتر انداز میں حل کیا جا سکتا ہے۔ انہی ضروریات اور مسائل کی بنا پر تعلقات کی اہمیت سے آج ہر انسان آگاہ ہے۔

اگرچہ قدیم زمانے سے ہی انسانوں کے درمیان بہتر تعلقات اور مسالمت آمیز زندگی کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے، مگر اس بات کی طرف بیسویں صدی کے بعد خصوصی توجہ دی گئی جب دنیا نے دو عظیم جنگوں کا ذائقہ چکھ لیا جس میں لاکھوں انسان لاحاصل اور بے مقصد خونریزی کی نذر ہو گئے۔ اب جبکہ دنیا ایٹمی ہتھیاروں سمیت دوسرے وسیع تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی آماجگاہ بن چکی ہے تو ابراہیمی ادیان سمیت دنیا کی مختلف اقوام کے درمیان تعلقات کے بارے میں از سر نو جائزہ لیتے ہوئے تعلقات کی اہمیت اور ضرورت سے دنیا کو روشناس کرانے کی ضرورت ہے۔ ان تعلقات کی اہمیت اور ضرورت کو مندرجہ ذیل نکات کے ذریعے بیان کیا جا سکتا:

1۔ جنگ اور خونریزی سے نجات: جنگ اور خونریزی دنیا کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جاتی ہے جس کی وجہ سے انسان کی مادی اور معنوی استعداد اور صلاحیتیں ماند پڑ جاتی ہے۔ اس تباہی اور بربادی سے انسان کو نجات دینے کے لیے خصوصا مذہب کے نام پر لڑی جانے والی جنگوں سے انسانوں کو نجات دینے کے لیے آج کا انسان چاہے مسلمان ہو، یہودی ہو یا نصرانی، بہتر تعلقات اور مسالمت آمیز زندگی گزارنے کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے۔

2۔ دنیاوی واخروی سعادت: انسان کو خلقت سے نوازنے کا ایک فلسفہ یہ ہے کہ وہ خدائی نعمتوں سے اس دنیا میں استفادہ کرتے ہوئے اس کی اطاعت کی راہ پر گامزن رہے تاکہ دنیا اور آخرت میں سعادت مند ہو پائے۔ جیساکہ قرآن میں ذکر ہو رہا ہے: " مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔" (1) یعنی: " جو شخص نیک اعمال بجالائے گا، مرد ہو یا عورت، درحالانکہ وہ مومن بھی ہو گا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے اور (آخرت میں) اُن کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔"

انسان اور اس کائنات کی خلقت کا ہدف یہ ہے کہ انسان مادی امکانات اور وسائل کو خدا کی راہ میں کام میں لائے تاکہ اس دنیا کے ساتھ دوسری دنیا کو بھی بہتر بنا سکے۔ یہ کام انسانوں کے درمیان مسالمت آمیز زندگی اور بہتر تعلقات کی موجودگی سے ہی ممکن ہے۔ اگر مسلمان اور یہودیوں سمیت مختلف ادیان کے ماننے والوں کے درمیان جنگ، خونریزی اور تعصّبات کا دور دورہ ہو تو نہ صرف انسان کی دنیاوی زندگی اجیرن ہو جائیگی بلکہ اس کی اخروی زندگی بھی داو پر لگ جائیگی۔

3۔ سعادت کے حصول میں تعاون: حق کی جانب حرکت کو خدا نے انسان کی فطرت میں رکھا ہے۔ اگر یہ کام کسی کی رہنمائی اور مدد کے ذریعے ہو تو انسان بہت کم مدت میں اس راہ کو پالیتا ہے۔ انسان تنہا مسافر بن کر سعادت کی راہ کو پالے تو یہ کوئی کمال کی بات نہیں اور نہ ہی انسان کی پاک فطرت سے یہ کام موافق ہے۔ اسلام ہدایت یافتہ افراد کو کئی موارد میں حکم دیتا ہے کہ جس طرح خود حق پرستی کی راہ پہ گامزن ہوئے ہو اسی طرح دوسروں کو بھی حق کی راہ دکھانے کی کوشش کرو۔ اس کی اہمیت اس بات سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ قرآن میں مختلف جگہوں پر فاصدع، بلغ، رسالت، دعوت جیسے الفاظ اور مشتقات موجود ہیں۔

یہ ہدف بھی مختلف ادیان کے پیروکاروں کے درمیان بہتر تعلقات کی روشنی میں ہی ممکن ہے چونکہ اگر مسلمانوں اور یہودیوں سمیت دوسرے ادیان کے پیروکاروں کے درمیان دشمنی اور تعصب ہو تو انسان اچھائی کے انتخاب کی طاقت کھو دیتا ہے چونکہ تعصب کے ساتھ انسان طرفِ مقابل کو دشمنی اور تعصب کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ بنابرایں، اس ہدف کے حصول کے لیے بھی تعلقات قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

تعلقات کی اس ضرورت اور اہمیت کو اسلام کی نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے قرآن میں جگہ جگہ "یَا اَیُّھَاالنَّاسُ "کے خطاب سے آج سے پندرہ صدیاں پہلے ہی اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ ابراہیمی ادیان میں سے سب سے زیادہ جس دین نے تعلقات اور رواداری کی ضرورت کو عملی اور نظریاتی طور پر اجاگر کیا ہے وہ دین مبین اسلام ہے۔ جس نے ابتدا سے ہی تعلقات کے مختلف ابعاد سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے بعد اسلام کی نگاہ میں تعلقات کے خدوخال واضح ہوتے گئے یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اپنے اور پرائے میں فرق ایک فطری امر ہے مگر اس فرق کا مطلب ظلم، دھوکہ دہی اور مکر وفریب ہرگز نہیں۔ قرآن میں "یَا اَیُّھَاالنَّاسُ" اور "یَا اَیُّھَا الَّذِینَ" کے خطاب میں اس کی مثال نمایاں ملتی ہے۔ گویا اقوام میں تقسیم رنگ ونسل اور رسم اور رواج کی بنیاد پر نہیں، اللہ تعالی کی جانب سے بھیجی جانے والی ہدایت کو قبول کرنے اور نہ کرنے کی بنیاد پر ہے۔

اسی اصول کو اسلام نے امت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ لیکن چونکہ اسلام کے مقابلے میں متعدد افکار اور نظریات پر مشتمل نظام دنیا میں رائج تھے اسی لیے کمالِ حکمت کے ساتھ ان اقوام کے ساتھ تعلقات کے اصول اور روابط طے کرلیے گئے۔ ان اصول اور ضوابط کی بنیاد یہ ہے کی پوری دنیا کے انسانوں میں تعلقات کی اصل بنیاد، حالت امن ہے مگر اختلاف، کشمکش اور جنگ کی صورت میں تعلقات میں کشیدگی کو کم سے کم کرنے اور حالت امن کی بحالی کے لیے ضروری اصول اور ضوابط بھی متعارف کرائے جائیں۔ چنانچہ ہجرت مدینہ کے فورا بعد حالت امن کو مد نظر رکھ کر پہلی مملکت کا جو پہلا دستور دیا اس میں دو چیزیں نمایاں ہیں۔ ان میں سے ایک کو مواخات مدینہ اور دوسری کو میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مواخات میں مسلمانوں کے آپس میں بحثیت قوم کے تعلقات کا نظام وضع کیا گیا اور میثاق مدینہ میں مدینہ کے ارد گرد کے یہودیوں سے تعلقات کے اصول مرتب کیے گئے، جس میں ان تمام اقوام کو مذہبی اور معاشی خود مختاری دی گئی، مگر دفاع اور ریاست کے تحفظ کے معاملات کو وفاقی نظام کے تحت مربوط کیا گیا۔ (2) بہر حال اسلام کی نگاہ میں تعلقات ذاتی طور پر ایک احسن عمل ہے اور عقلی طور پر بھی اس کی اہمیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کیونکہ کوئی ایسا زمانہ یا کوئی ایسا فرد نہیں گزرا جس نے قلبی اور فطری طور پر اس کی اہمیت سے انکار کیا ہو۔

ہاں یہ الگ بات ہے کہ مختلف نسلی، قومی، قبائلی، سیاسی اور اقتصادی عصبیتوں کی وجہ سے بنی نوع بشر کو ہمیشہ افتراق اور تنازعات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ان سب وجوہات کے باوجود تعلقات کی عقلی اور فطری اچھائی سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے۔ اسلام کا ظہور جس وقت ہوا وہ زمانہ امن عامہ اور باہمی رواداری کے لحاظ سے بدرجہ اتم انحطاط کا شکار تھا۔ معمولی باتوں پہ سالہا سال باہمی تنازعات کا شکار رہتے تھے۔ بغیر کسی مبالغہ آرائی کے یہ مسئلہ اس دور کی معاشرتی برائیوں میں سر فہرست تھا جس کی وجہ سے ایک طرف معاشرہ ہرج ومرج کا شکار تھا تو دوسری طرف بے مقصد جنگوں کی وجہ سے بہت سے خاندان بے سرپرست ہوگئے جس سے ان کی خاندانی اکائیاں متاثر ہوئی تھیں۔

ایسے موقع پر اسلام نے اس برائی کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کا حل نکالا اور ان قبائل کو جو کئی صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے باہمی احترام اور برادری کے رشتے میں جوڑ دیا اور انہیں یاد دہانی کرائی کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اسلام کی وجہ سے تمہارے درمیان الفت پیدا ہوئی:

''وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا'' (3)

یعنی: ''اس وقت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور اسلام کی نعمت سے تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔''

یہ ان افراد سے خطاب ہے جو سالہا سال ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔اس کے علاوہ، ابراہیمی ادیان کے پیروکاروں سے بھی خصوصی طور پر تعلقات استوار کرنے کے لیے عملی کام کیا۔ ایک طرف رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے تعلقات استوار کیے تو دوسری طرف قرآن نے اہل کتاب کو یہ دعوت دی کہ اختلاف نظر اپنی جگہ مگر کچھ مشترکہ چیزیں اسلام اور دوسرے ادیان ابراہیمی میں موجود ہیں ان پر اتفاق کرکے اختلافات کی خلیج کو کم کیا جا سکتا ہے۔(4) اسی طرح اسلام نے خاندانی اکائیوں کو مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہوئے تعلقات کی اور جہتوں کو بھی اہمیت دی ہے اور انہیں معاشرے میں اجاگر کیا ہے۔ جیسا کہ میاں بیوی کے درمیان تعلقات کی اہمیت،اولاد اور ماں باپ کے درمیان تعلقات کی اہمیت، بہن بھائیوں کے درمیان تعلقات کی اہمیت، خود بہنوں اور بھائیوں کے آپس کے تعلقات شامل ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے اسلام کی نگاہ میں احترام، رواداری اور بہتر تعلقات کو فروغ دینا، ایک پسندیدہ عمل ہے جبکہ فساد، قتل اور غارت گری کو اسلام مذموم عمل قرار دیتا ہے۔آج مختلف ادیان و مذاہب کے درمیان اچھے تعلقات اور روابط کی شدید ضرورت ہے۔ بہت سارے مسائل ایک دوسرے کے بارے میں غلط فہمیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے مل بیٹھ کر گفتگو کرنے کی دعوت دی تاکہ الجھے ہوئے مسائل حل ہو جائیں۔

اسلام اور غیر مسلموں سے تعلقات

غیر مسلموں کے حوالے سے لکھی گئی بعض تحریریں حقیقت سے زیادہ جذبات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ لہٰذا غیر مسلموں کے حوالے سے اسلام کے مجموعی نقطہ نظر سے آگاہی کے لیے اسلام کے بنیادی منابع، جو قرآن وحدیث ہیں، سے اجمالی یا تفصیلی آگاہی ضروری ہے۔ غیر مسلموں کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کا اگر ہم بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض تعلیمات زمانہ امن سے مربوط ہیں اور کچھ زمانہ جنگ اور استثنائی حالات سے۔ بنابرایں اسلام نے ہر ایک کے لیے الگ قوانین متعارف کرایا ہے ان تمام قوانین کو ایک ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اس کے علاوہ اس بات کی طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ اگر ہم اس مسئلے کو قرآن کے نقطہ نظر سے پیش کرنا چاہیں تو اس موضوع سے متعلق جتنی آیات ہیں ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی نتیجہ نکالنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع کو مزید دقیق بنانے کے لیے آیات کے شان نزول کو بھی مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔یہی روش سیرت رسول ﷺ کے حوالے سے بھی اپنانے کی ضرورت ہے۔ بہر حال اس حوالے سے جن آیات کو مقام بحث میں بطور استدلال لاتے ہیں وہ یہ ہیں:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۔'' (5)

ترجمہ: '' اے لوگو جو ایمان لائے ہو یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق مت بناؤ یہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی ان ہی میں سے ہے۔''

اس آیت کے ذیل میں معاصر ایرانی مفکر مصباح یزدی لکھتے ہیں:

'' براساس این اصل رابطہ ی مسلمانان۔۔۔۔ اسلام نفی سلطہ کافران بر مسلمانان است۔''

'' اس اصل کی بنا پر مسلمانوں اور کافروں کے درمیان تعلقات اس طرح نہ ہوں کہ مسلمان ان کے ماتحت ہو جائیں اور کافروں کے لیے سیادت اور برتری حاصل ہو بلکہ اس سلسلے میں اسلام اور مسلمانوں کی برتری اور سیادت کو محفوظ بنانا ضروری ہے۔ بہر حال، مسلمانوں اور کافروں کے تعلقات اس طرح نہ ہوں کہ جس سے مسلمانوں کی ذلت کی بو آئے۔ بنابریں مسلمانوں اور یہودیوں کے دو طرفہ تعلقات میں اگر یہ احساس ہو جائے کہ اس قانون پر عمل نہیں کیا گیا ہے اور اسلامی معاشرہ کافروں کے معاشرے سے وابستہ ہو چکا ہے تو اصل اور قانون یہ تقاضا کرتا ہے کہ جتنی جلدی ہوسکے اس قسم کی وابستگی سے خود کو الگ کرکے مسلمانوں کی برتری واپس لوٹائی جائے۔ کیونکہ اصل کافروں کی برتری کی نفی ہے۔'' (6)

مذکورہ مصنف کی باتوں سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ یہودیوں کی سیادت اور برتری کو قبول کیے بغیر ان سے تعلقات قائم کیے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح ان تعلقات میں مسلمانوں کی ذلت اور وقار کے مجروح ہونے کا کوئی پہلو بھی سامنا نہیں آنا چاہئے۔ اگر اس قسم کا احساس بھی دل میں ہو جائے تو مسلمانوں کو فوراً اس قسم کے تعلقات پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ اور مسلمانوں کو ہمیشہ اس قرآنی اصول کا خیال رکھنا چاہیے کہ یہودیت اور عیسائیت کی ماہیت میں مسلمانوں کو اسلام سے روگردان کر دینے کی ہوس پوشیدہ ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

"وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ..." (7)

"اور آپ (ﷺ) سے یہود و نصاریٰ اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتے جب تک آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ بن جائیں..."

"لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ..." (8)

"(اے رسول ﷺ) آپ اہل ایمان کے ساتھ عداوت میں یہود اور مشرکین کو پیش پیش پائیں گے..."

"لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً..." (9)

"مومنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور مددگار ہرگز نہ بناو جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں یہ معاف ہے کہ تم ان کے ظلم سے بچنے کے لیے بظاہر ایسا طرز عمل اختیار کر جاؤ۔"

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ..." (10)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناو تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں۔"

"لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ..." (11)

"تم کبھی یہ نہ پاوگے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے خواہ وہ ان کے باپ ہو یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان..."

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ" (12)

ترجمہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے باپ اور بھائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں، تم میں سے جو ان کو رفیق بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے۔"

لہٰذا اہل ادیان سے تعلقات برقرار کرتے وقت خوب دقت کر لی جائے کہ مبادا ان تعلقات کی آڑ میں وہ مسلمانوں کو ان کے دین سے روگردان کرنے کی سازش کریں۔ البتہ ان قرآنی ارشادات کو دیکھ کر غیر مسلموں کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کے دین میں دوسرے ادیان کے ساتھ رواداری اور حسن خلق سے منع کیا گیا ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان آیات کے نزول کے وقت، مدینہ کی چھوٹی سی مسلم آبادی مستقل خطرے کی حالت میں تھی۔ ان کے وجود کو یہ خطرہ اندرونی اور بیرونی دونوں سطح پر تھا۔ اندرونی خطرہ ان لوگوں سے تھا جنہیں قرآن منافقین کہہ کر پکارتا ہے جو بیرونی عناصر کے ساتھ تعاون کرتے تھے اور مسلم معاشرے کو اندر سے نقصان پہنچانے کی سعی کرتے تھے۔

بیرونی خطرہ مکّہ کے قبیلہ قریش کے علاوہ خاص طور سے مدینہ کے اطراف میں بسے ہوئے یہودی قبائل کی طرف سے محسوس کیا جا رہا تھا۔ پہلے تو ان قبائل نے ایک معاہدے پر دستخط کئے اور حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کا حلف لیا۔ اس دستاویز کی رو سے شہر کے تمام باشندگان ایک قومیت قرار پائے اور ان کی مذہبی اختلافات کا احترام کیا گیا تھا جس کی قرآن میں تصدیق اور تائید کی گئی ہے۔ مزید برآں، اس دستاویز کے مطابق یہ توقع بھی کی گئی تھی کہ یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان مکر وفریب سے پاک دوستی اور باہمی حسن و سلوک ہوگا دغا و فریب نہیں۔ اس معاہدے پر دستخط کرنے والے تمام فریقین پر ضروری ٹھہرایا گیا کہ کسی بھی اچانک بیرونی حملے کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ بہر حال جیسے جیسے مسلم آبادی میں اضافہ ہوتا گیا اور ان

کی طاقت بڑھتی گئی، خود کفیل ہوتے گئے ۔ ان یہودی قبائل نے اپنی حمایت اُٹھالی اور مسلمانوں کے خلاف مکّہ والوں سے تعاون اور ان کے ساتھ مل کر سازشیں کرنے لگے۔اس طرح انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی۔
ناگزیر طور پر اس سلسلے میں قرآن اور پیغمبر کی طرف سے ردّعمل ظاہر ہوا کہ کس طرح مسلمان اس طرح کے قبیلوں او رافراد سے نپٹیں۔ اس تناظر میں ایک یہودی قبیلے کا قلع قمع اور دوسرے کے مدینے سے اخراج کو قرآن اور تاریخ کی کتابوں میں تفصیل سے پیش کیا گیا ہے ۔ قرآن کی مندرجہ بالا آیتیں ایک خاص تناظر میں پیش کی گئی ہیں اور فطری طور پر ان کا اطلاق ہر یہودی کہلانے والے پر قرآنی منطق کے خلاف شمار ہوگا۔ یہ اس بات سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں سے متعلق قرآن کی آیتوں میں سے ایک بڑی تعداد ایسی آیات پر مشتمل ہے جن میں ان سے متعلق مفاہمتی لہجہ استعمال کیا گیا ہے اور کئی آیات میں انہیں "یا اھل الکتاب" کہہ کر احترام سے مخاطب کیا گیا ہے۔
بنابریں، یہودیوں کے خلاف حضرت محمد ﷺ کے اقدامات کسی مذہبی احساس برتری کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ نا قابل حل کشیدگی کا نتیجہ تھے۔ چونکہ اس سلسلے میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دو یہودی قبائل کے قلع قمع اور اخراج کے بعد بھی قرآن یہودی پیغمبروں کا احترام کرتا رہا اور مسلمانوں کو اہل کتاب کااحترام کرنے کی تاکید کرتا رہا ہے ۔ چھوٹے چھوٹے یہودی گروہ مدینے میں آباد رہے اور بعد میں عیسائیوں کی طرح یہودیوں کو بھی اسلامی حکومت میں پوری مذہبی آزادی حاصل رہی۔
بنابریں، یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ مندرجہ بالاآیتوں کو اگر ان کے ظاہری تناظر میں دیکھیں اور ان آیتوں کے نزول کے پس منظر اور احادیث کے تاریخی پس منظر پر غور نہ کریں تو نتیجے میں مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں ایک بہت ہی منفی تصویر سامنے آئے گی جسے معیاری اور آفاقی تصور نہیں کہا جائے گا۔ جبکہ جب ہم قرآن کی دوسری آیات اور سیرت رسولؐ اور صحابہ کا عمل دیکھتے ہیں تو اس مخمصے سے نکلنے کے لیے ٹھوس اور واضح شواہد سامنے آجاتے ہیں۔ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان آیات میں جن کرداروں کی طرف اشارہ ہوا ہے وہ اگر آج کے دور میں بھی موجود ہوں تو ان سے رفاقت سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر اس سے بھی زیادہ ان آیات کے مفاہیم کو وسعت دی جائے تو جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ کہ جن افراد نے کفر اور شرک اختیار کیا ہے ان کو اپنا دوست ،مددگار اور سرپرست بنانے سے منع کیا گیا ہے۔
پس قرآن کی مندرجہ بالاآیات مسلمانوں کو غیر مسلموں سے دوستی کرنے سے روکتی ہیں۔ لیکن ان آیات سے کسی بھی لحاظ سے یہ مفہوم یا نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اسلام اہل ادیان منجملہ یہودیوں سے سماجی، علمی، تجارتی اور باہمی بقاء کی بنیاد پر ہر قسم کے تعلقات قائم کرنے سے روکتا ہے۔ کیونکہ ان آیات کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ جن افراد یا کرداروں کی طرف اشارہ ہوا ہے وہ یہودیوں میں سے کچھ خاص افراد تھے۔ اسی طرح اگر ہم شان نزول سے چشم پوشی بھی کرلیں تو ان آیات سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام یہودیوں سے صرف قلبی دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے یا جس معاشرے میں دونوں ادیان کے پیروکار ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اس معاشرے کے ثبات اور پایداری کے لیے باہمی تعلقات استوار کریں تو یہ دوستی کے زمرے میں نہیں آتا۔
بنابریں، قرآن کی مجموعی آیات جو اس موضوع سے مربوط ہیں، اور سیرت رسول ﷺ اور صحابہ کے عمل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی اسلام میں بعض بنیادی حقوق حاصل ہیں۔اسلام نے انہیں زندہ رہنے اور معاشی جدوجہد کرکے عزت سے زندگی کرنے کا حق دیا ہے۔ اسی طرح اسلام نے یہودیوں سمیت تمام غیر مسلموں کی عزت وآبرو کی حفاظت کی تعلیم بھی دی ہے۔ چونکہ تمام انسانوں کی بنیاد ایک ہی ہے۔ سب کے سب حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور انسانیت میں مشترک ہیں۔ اسی بناپر انسانیت کے اعتبار سے ان کے جتنے حقوق ہیں وہ ان سے بہرہ مند ہو سکتے ہیں۔
اگر بطور خلاصہ بیان کیا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے آیات مذکورہ میں بیان شدہ کردار کے حامل کفار سے موالات سے منع کیا ہے یعنی ان سے قلبی اور دلی محبت سے منع کیا ہے۔ یہ صرف برادر ایمانی سے جائز ہے جبکہ اسلام نے یہودیوں سمیت دیگر غیر مسلموں سے مواسات سے منع نہیں کیا۔ یعنی اگر وہ کفار حربی نہیں ہیں تو ان سے خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ پیش آسکتے ہیں۔ اس کے لیے بہترین دلیل سورہ ممتحنہ کی آیت ۹ ہے جس میں صراحت

سے بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالی تم کو منع نہیں کرتا ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاو کرو جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمھیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔

اسرائیل کے ساتھ تعلقات

یہاں اس امر کو واضح کر دینا انتہائی ضروری ہے کہ یہودی حکومت، اسرائیل کے ساتھ بائیکاٹ اور اس کے وجود کو تسلیم نہ کرنے اور اس کے ساتھ تعلقات استوار نہ کرنے کا معاملہ اس بنیاد پر نہیں ہے کہ اسلام سرے سے یہودیوں کے ساتھ ہر طرح کے رابطے سے روکتا ہے۔ بلکہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم نہ کرنے کا اصل سبب، یہ ہے کہ اسرائیلی حکومت کی ماہیت میں اسلام دشمنی، مسلم کشی اور مسلمانوں کی سرزمینوں پر قبضہ جمانا اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کرنا ہے۔ لہٰذا اسرائیلی حکومت کا معاملہ عام یہودیوں سے جدا ہے۔ اگر اس حکومت کا بس چلے تو پورے عالم اسلام پر قبضہ جمالے۔ بنابرایں، جو لوگ اسرائیل سے تعلقات بڑھانے یا اسرائیل کے ناپاک وجود کو تسلیم کرنے کی باتیں کرتے ہیں، وہ یا تو اسرائیلی حکومت کی ماہیت سے غافل ہیں یا ان کا اسلام سے کوئی گہرا تعلق نہیں ہے۔

اہل ادیان سے تعلقات کا فائدہ

بہرصورت، اسلام نے تمام انسانوں اور اہل ادیان کے ساتھ تعمیری روابط بنانے کی تعلیم دی ہے۔ دراصل، اسلام پوری انسانیت کے لئے نسخہ کیمیا ہے۔ اور مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ پوری دنیا کے انسانوں سے میل جول رکھیں تاکہ ان تک اسلام کا پیغام پہنچ سکے۔ اگر مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ رابطہ استوار ہوگا تو اس کا مستقیم فائدہ یہ ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی قربت اور ان کے حسن سلوک سے متاثر ہوکے مسلمانوں کے قریب ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ اسلام نے یہودیوں سمیت غیر مسلم طبقے کے ساتھ ظاہری خوش خلقی اور ادب واحترام سے بھی منع نہیں کیا۔ بلکہ اگر یہ رابطہ مسلمانوں کے مفاد میں ہو یا مسلمانوں کو کسی متوقع نقصان سے بچانے کے لیے ہو تو یہ وجوب کی حد تک جاسکتا ہے۔ مجموعی طور پر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات کو ان اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

اجتماعی تعلقات

اسلام غیر مسلموں کو بالخصوص ابراہیمی ادیان کے پیروکاروں سے تعلقات کو اہمیت دیتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ آپؐ نے اپنی زندگی میں اور بالخصوص اپنے دور حکومت میں زندگی گزارنے والے یہودیوں کے ساتھ احترام اور لطف کے ساتھ پیش آتے تھے۔ جیسا کہ جابر ابن عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ ہمارے پاس سے گزرا۔ پیغمبر ﷺ اس جنازے کے احترام میں کھڑے ہو گئے ہم بھی پیغمبر ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے کھڑے ہوگئے۔ اس کے بعد ہم نے پیغمبر سے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے؟ آپؐ فرمانے لگے کہ کیا یہ کسی انسان کا جنازہ نہیں؟ جب بھی کسی جنازے کو دیکھو تو احتراماً کھڑے ہو جاؤ۔ (13)

اسی طرح سیرت پیغمبر ﷺ سے ہمیں یہ بھی درس ملتا ہے کہ اجتماعی روابط میں حسن برقرار رکھنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تحائف کے تبادلے کی ضرورت ہے تاکہ اجتماعی تعلقات کے لیے مضبوط بنیاد فراہم ہو۔ پیغمبر اپنے ہمسائے میں رہنے والے یہودیوں کے ساتھ یہ روش برقرار رکھے ہوئے تھے۔ اسی بنا پر ایک یہودی عورت نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بکرے کی ایک ٹانگ کو زہر آلود کرکے پیغمبر اکرم ﷺ کو بھیجا تاکہ پیغمبر مسموم ہو جائیں۔ (14)

اسلام کی نگاہ میں اجتماعی تعلقات کے تصور میں خدمت خلق کا ایک بنیادی کردار ہے۔ اسلام صرف مسلمانوں سے نہیں، بلکہ دیگر تمام ادیان کے پیروکاروں کے ساتھ نیکی کا حکم دیتا ہے:

"لَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ (15)

یعنی: "جن لوگوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمھیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے، اللہ تمھیں ان کے ساتھ احسان کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا..."

لہٰذا جب تک غیر مسلموں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کوئی خلاف قانون اقدام سامنے نہ آئے تو ان کے ساتھ بہتر اور مسالمت آمیز رویہ اپنایا جاسکتا ہے اور ان کے تمام حقوق کا خیال بھی رکھا جائیگا۔(16) اس کے علاوہ حضرت علیؑ کی وہ نصیحت بھی اس سلسلے میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے جو آپؑ نے مالک اشتر کو مصر کے لوگوں کے بارے میں کی تھی۔ جس میں فرمایا تھا کہ لوگوں سے مہربانی اور نرمی سے پیش آجاؤ چاہے وہ آپ کے ہم مذہب ہوں یا انسانیت میں تمہارے ساتھ شریک ہوں۔(17) اس کے علاوہ حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اگر کوئی یہودی ہمسائے میں رہتا ہو تو اس سے نیکی سے پیش آیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ان جالسك يهودی فاحسن مجالسته (18)

یعنی: "اگر کوئی یہودی آپ کا ہم نشین ہو تو اس سے بھی نیکی سے پیش آؤ"۔

اسی طرح صحابہ کرامؓ کی زندگی اور ان کی عملی روش کی روشنی میں اس مسئلے کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کرام نے اس پر سختی سے عمل کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے ایک بار ایک بکری ذبح کرائی، غلام کو ہدایت کی کہ وہ سب سے پہلے پڑوسی کو گوشت پہنچائے، ایک شخص نے کہا حضور! وہ تو یہودی ہے، آپؑ نے فرمایا یہودی ہے تو کیا ہوا، پھر کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے اس قدر اور مسلسل وصیت کی کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ پڑوسیوں کو وراثت میں حصہ دار بنادیں گے۔(19)

اسی طرح اسلام نے اجتماعی روابط کی تحکیم کی تاکید کی ہے۔ حتی کہ غیر مسلموں کی عیادت کا بھی حکم دیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ: ان النبی عاد يهوديا فی مرضه (20) یعنی: "جب ایک یہودی بیمار پڑا تو پیغمبر ﷺ نے اس کی عیادت کی۔" بنابرایں، اجتماعی تعلقات کے حوالے سے اسلام کی ان تعلیمات کو مشعل راہ قرار دے کر آج بھی غیر مسلموں کے ساتھ اسی انداز میں برتاو کیا جاسکتا ہے جو ہمیں رسول اسلام ﷺ کی سیرت سے درس ملا ہے۔ آج کے دور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ سیرت رسول ﷺ کے ہر پہلو کو دنیا کے سامنے بہتر انداز میں پیش کیا جائے جس کے بعد کوئی بعید نہیں کہ مسلمان اور غیر مسلموں کے درمیان آپس میں جو غلط فہمیاں ہیں ان میں کافی حد تک کمی آسکتی ہے۔

کاروباری تعلقات

کاروبار، خرید و فروخت، لین دین انسانی زندگی کا لازمی جز ہے۔ لہٰذا کاروباری روابط جس طرح مسلمانوں کے ساتھ صحیح ہیں، اسی طرح غیر مسلم افراد کے ساتھ بھی جائز ہیں۔ شرعی حدود میں رہتے ہوئے یہودیوں سے بھی تجارتی تعلقات رکھے جاسکتے ہیں۔ اس کے نمونے ہمیں مسلمانوں کی تاریخ میں جابجا مل جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی مدینہ کی تجارت کا بڑا حصہ یہودیوں کے ہاتھ میں تھا۔ مسلمان یہودیوں کے ساتھ کاروباری تعلقات رکھتے تھے اسی طرح خلفا کے دور میں اور اس کے بعد بنی عباس اور بنی امیہ کے دور سمیت قرون وسطی میں بھی یہودیوں سے مسلمانوں کے کاروباری مراسم کے نمونے مل جاتے ہیں۔

عصر حاضر میں بھی صہیونی ریاست کے علاوہ یہودیوں سے کاروبار کرنے کو مسلمان عیب شمار نہیں کرتے۔ کیونکہ اسلام میں کفار حربی اور غیر حربی کے ساتھ کاروبار میں فرق ہے۔ کفار حربی سے کاروبار میں یہ امکان پایا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کو کوئی فائدہ حاصل ہو جائے۔ بنابرایں، ان سے کاروبار میں احتیاط برتی جاتی ہے۔(21) اسرائیلی ریاست اس وقت تقریباً تمام مسلمانوں کی نگاہ میں دارالحرب کے زمرے میں آتی ہے، لہٰذا ان سے کاروبار کرنا جائز نہیں ہے۔ یہودیوں سے لین دین کے حوالے سے ایک روایت بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

ان النبی (ص) اشتری طعاما من يهودی الی اجل و رهنه درعه من حديد (22)

یعنی: "رسول اکرم ﷺ نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لیے غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھی۔"

اس سلسلے میں اس بات کو یاد رکھنے کی بھی ضرورت ہے کہ اسلام نے جس طرح ان کی جان کو محترم قرار دیا اسی طرح ان کے اموال کو بھی محترم قرار دیتے ہوئے بغیر اجازت کے ان سے استفادہ کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے(23) مجموعی طور اسلام اقتصادی اور تجارتی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ایسے کام ہیں جن کے ذریعے اجتماعی نظام اور فرد کی ذاتی زندگی کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر کوئی شخص آخرت کی خاطر اور اپنے اُمور کی خاطر اقتصادی و مادی سرگرمیوں سے ہاتھ اٹھائے تو اسلام اس کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی

اور اقتصادی تعلقات قائم کرنے میں کوئی ممانعت نہیں۔ خنزیر، کتا، موسیقی کے آلات اور قمار جیسی چیزیں جو کی اسلام کی نگاہ میں حرام ہیں یا ان کی کوئی ارزش اور اہمیت نہیں ہے، دیگر اشیاء کا معاملہ اور لین دین تمام اہل ادیان اور گیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔البتہ ممنوعہ چیزوں کا کاروبار نہ صرف غیر مسلموں کے ساتھ بلکہ مسلمانوں کے ساتھ بھی جائز نہیں ہے۔(24)

اس کے برخلاف اسلام یہودیوں کے ساتھ مورد نیاز چیزوں کے کاروبار کو جائز قرار دیتا ہے۔اس کے لیے ہمارے پاس بعنوان مثال خود رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ہے۔آپ نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ اقتصادی روابط قائم کیے تھے حتی کہ تاریخ میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ پیغمبر ﷺ نے ان سے قرضہ بھی لیا تھا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے ایک یہودی بنام (زید بن سعنہ) سے قرض لیا تھا جب اپنا قرض لینے کے لیے وہ پیغمبر کی خدمت میں آئے تو اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔ حضرت عمر یہ دیکھتے ہوے غصے میں آگئے اور انہیں قتل کرنا چاہا تو پیغمبر نے انہیں اس عمل سے روکا اور فرمایا ان کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور فُلاں جگہ سے ان کا قرض ادا کرو اور اضافی بیں صاع کھجور بھی انہیں دے دو۔ پیغمبر کی اس خوش اخلاقی کو دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔(25) اس کے علاوہ اسلامی تعلیمات اور مقررات میں یہودیوں سمیت دیگر غیر مسلموں کے ساتھ مسالمت آمیز فضا کو بہتر بنانے کے لیے فقراء کو زکاۃ سے اقتصادی امداد فراہم کرنے کی سفارش کی ہے اور اس کے لیے ایک خاص حصہ بھی معین کیا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ (26)

یعنی: ”بس صدقات تو فقرا، مساکین، صدقات کو جمع کرنے والوں اور مولفہ قلوب کے لئے ہیں۔“

اس کی وجہ، تالیف قلوب بیان کیا گیا ہے یعنی مسلمانوں کے حوالے سے قائم منفی سوچ ختم ہو جائے۔آج بھی مسلمان اسلامی تعلیمات کے اس فراموش شدہ رکن کو زندہ کرکے دونوں ادیان کے درمیان تعلقات کے قیام کے لیے ایک پل قائم کر سکتے ہیں۔اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو اقتصادی تعلقات یہودیوں کے ساتھ بہتر تعلقات استوار کرنے کے لیے ایک بہترین دریچہ ہے جس کے کھل جانے سے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تعلقات کی راہ میں حائل بہت سی رکاوٹیں دور ہو سکتی ہیں یہی اقتصادی اور تجارتی تعلقات ہیں جن کے ذریعے اسلام ہندوستان اور چین جیسے دور دراز علاقوں تک پھیل گیا۔

۳۔ علمی اور ثقافتی تعلقات

اسلام کی نگاہ میں ہر وہ علمی اور ثقافتی سرگرمی جو معاشرے میں نشاط اور افراد کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا کرنے کا سبب بنے، قابل قبول ہے اور اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔یہی علم اگر انسانی معاشرے کے لیے مضر ہو تو اسلام اسے ممنوع قرار دیتا ہے بعض افراطی نظریے کے حامل افراد جو کہ آج کل ہمارے معاشرے میں رہتے ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ ہر وہ علم اور ثقافتی بنیادیں جو مغرب سے آئیں ان سے مسلمانوں کو اجتناب کرنے کی ضرورت ہے۔اسی طرح کچھ ایسے افراد بھی ہیں جو مغربی اقدار اور ثقافت کو ہی انسان کی ترقی کی بنیاد قرار دیتے ہیں یعنی اگر ترقی کرنی ہے تو تمام حدود اور قیود کو پامال کرکے مکمل طور پر مغربی طرز زندگی اپنانی چاہئے تاکہ انسان مختلف علمی شعبوں میں مغرب کی طرح ترقی کر سکیں۔

ان دو نظریات کے مقابلے میں اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر علمی اور ثقافتی سرگرمیاں مفید ہوں تو انہیں قبول کیا جاسکتا ہے چاہے مغرب میں ہو یا مشرق میں۔ جیسا کہ معروف حدیث ہمارے سامنے بطور شاہد موجود ہے: اطلبوا العلم ولو کان بالصین(27) رسول ﷺ نے یہ اس وقت کہا تھا جب اسلام ابھی تک چین پہنچا بھی نہیں تھا۔اسی طرح حضرت علیؑ کا ایک قول بھی ہے: الحکمۃ ضالۃ المومن فخذ الحکمۃ و لو من اهل النفاق(28) یعنی: "حکمت مومن کا گمشدہ ہے حکمت کو لے لو اگرچہ وہ منافق سے ہی کیوں نہ ہو۔"

ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو دوسرے ادیان کے ماننے والوں کے ساتھ علمی طور پر تعلقات کی حوصلہ افزائی کی ہے۔اس کا ایک غیر مستقیم فائدہ یہ ہے کہ ان علمی روابط سے دوسرے شعبوں میں بھی تعاون اور ہمکاری کے مواقع پیدا ہو سکتے ہیں۔اسلام کے ان تاکیدی فرامین کی وجہ سے ہی مسلمانوں نے ہمیشہ اپنی علمی پیشرفت کو دوسرے ادیان کے پیروکاروں تک منتقل بھی کیا ہے اور ان سے مختلف علوم کی تحصیل میں استفادہ بھی کیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے علم ریاضی، نجوم، طب اور علوم طبیعی کے حصول میں یونان کے ساتھ دوطرفہ تعلقات بنائے رکھے تھے(29)۔اسی طرح

یہ بھی مشاہدہ کر رہے ہیں کہ مسلمانوں نے مختصر مدت میں یونان، ہندوستان اور ایران سے جن علوم میں استفادہ کیا ان میں وہ ماہر بن گئے اور پوری دنیا کی ان علوم میں رہنمائی کرنے لگے۔

چنانچہ جابر بن حیان کی کیمیا کے بارے لکھی گئی کتاب ۱۱۴۶ میں لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اسی طرح ایک اور مسلمان طبیب و دانشور محمد بن زکریا رازی ہے جن کی کتابیں الجامع، المدخل، المرشد اور المدخل الی الطب کے قرون وسطی میں کئی بار لاطینی زبان میں ترجمہ کیے گئے۔ (30) پیغمبر اکرم ﷺ کے ان ارشادات اور مسلمانوں کی عملی روش سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام مسلمان کے دوسرے ادیان کے پیروکاروں کے ساتھ علمی اور مثبت ثقافتی تعلقات قائم کرنے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس سلسلے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا ہے۔

مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات کا محور

اس میں کوئی شک نہیں کہ دورِ جدید میں آنے والی کوئی بھی مثبت یا منفی تبدیلی میں مسلمانوں اور یہودیوں کا بڑا کردار ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت قدرتی وسائل سے مالا مال والے علاقے میں رہنے کی بنا پر مسلمانوں کے حوالے سے دور جدید کی عالمی طاقتیں اور پوری دنیا زیادہ حساس ہے۔ اسی طرح مشرق وسطیٰ میں صہیونی ریاست کے وجود میں آنے کے بعد عالمی اقتصاد اور سیاست میں صہیونی یہودیوں کی بڑھتی ہوئی قدرت اور طاقت نے انہیں آج کی دنیا میں ایک فیصلہ کن کردار ادا کرنے والی قوم کے طور پر سامنے لا کھڑا کیا ہے۔

اس سارے منظر نامے میں ایک بات جو سب کو سوچنے پر مجبور کر رہی ہے وہ یہ کہ نسلی بنیادوں پر قائم ہونے والی صہیونی ریاست کو کیا ہم عالمی یہودیت کی نمائندہ ریاست کہہ سکتے ہیں؟ اس کا جواب جزئی طور پر نفی میں دے سکتے ہیں۔ اس لیے کہ یہودیوں میں سے ایک خاص طبقہ ہی اس ریاست کی سیاسی، اقتصادی اور دیگر پالیسیوں سے متفق ہے جبکہ دوسرا طبقہ اس ریاست سے نفرت کرتا ہے۔

اسی طرح کیا مسلمانوں میں موجود انتہا پسند اور ایک خاص طرز فکر کے حامل مسلمانوں کو تمام مسلمانوں کا نمائندہ کہا جا سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب بھی پہلے کی طرح منفی ہے۔ بنابریں اگر مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک دوسرے کی بقا کے لیے تعلقات استوار کرنا ہیں تو اس کے لیے دونوں ادیان کی تعلیمات میں جو مشترکات ہیں انہیں سامنے لانے کی ضرورت ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ دونوں ادیان کے درمیان بہت سی چیزیں مشترک ہیں اس فرق کے ساتھ کہ بعض ادیان میں یہ مشترکات کچھ زیادہ ہیں بعض میں کم جیسا کہ اکثر اخلاقی مسائل میں یہ دونوں ادیان مشترکہ نظر رکھتے ہیں۔ سب ہی سچائی، وعدے کی پاسداری اور ستم دیدہ افراد کی مدد جیسے اخلاقی صفات کو اچھا سمجھتے ہیں۔

اسی طرح کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کو بعض قبول کرتے ہیں جبکہ بعض اسے قبول نہیں کرتے۔ البتہ اس معاملے میں اس بات کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ یہ اختلاف کسی لحاظ سے دشمنی اور جدال کا سبب نہیں بننا چاہیئے۔ کیونکہ خود ایک دین میں ہی اس کے پیرکاروں کے درمیان اختلاف نظر کی بہت ساری مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اس لیے ایک قابل قبول حل کی جانب قدم بڑھانے کی ضرورت ہے۔ مشترکات کا کردار ادیان ابراہیمی کے درمیان بہتر تعلقات اور مسالمت آمیز ہمزیستی کی فضا فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ قرآن بھی اس نکتے کی جانب اشارہ کر رہا ہے:

" قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا... (31)

یعنی: "کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! اس کلمے کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بنائیں..."

مذکورہ آیت میں جو پیغام ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے جو تمام ادیان بالخصوص ابراہیمی ادیان کے درمیان تعلقات بہتر بنانے کے لیے ایک معقول راہ فراہم کرتا ہے۔ اگر ادیان ابراہیمی تمام مقدس اور اجتماعی معاملات پر اتفاق نہیں کر سکتے ہیں تو کم از کم اہم اور کلیدی معاملات پر جن کے حوالے سے سب میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے، اتفاق ہو سکتا ہے۔ یہ اتفاق یقیناً دوسرے بڑے مسائل کے لیے راہ کو کھول سکتا ہے۔ ہم جب آسمانی ادیان کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کے درمیان مشترکات صرف ایک موضوع تک منحصر نہیں ہیں عقائد اور اخلاقی مباحث سے لے کر بعض احکام جیسا کہ نماز، روزہ اور قربانی میں بھی ہم میں اتفاق ہے۔ چنانچہ **ایک اسکالر ڈاکٹر عبد الرحیم گواہی لکھتے ہیں:**

” تورات و انجیل و قرآن هر سه از آغاز و انجام و مبدا ، معاد جهان سخن گفته اند و آدمیان را ترک لذتها و شهوت های دنیا و عشق به زندگی جهان آخرت تشویق نموده اند۔۔۔۔هرچند با اختلاف و تفاوت آن پاداش و کیفرها۔“ (32)

یعنی: ” توریت ، انجیل اور قرآن تینوں اس جہان کے آغاز اور انجام کے بارے میں بتا چکے ہیں اور بنی نوع انسان کو دنیاوی لذتوں کو چھوڑ کے اخرت کی زندگی سے عشق اور دل لگانے کے لیے ابھارتے ہیں۔۔۔۔ دنیا میں موجود تمام ادیان اخلاقی اور انسانی مسائل میں مشترکہ نکات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں اگرچہ ان میں کچھ کمی اور زیادتی کا پہلو موجود ہے۔ (اس کے علاوہ) تمام ادیان انسانوں کے اچھے اور برے اعمال کے لیے دوسرے جہان میں ثواب و عقاب کے پہلو کو معین کر چکے ہیں اگرچہ اس سزا اور جزا میں تفاوت اور اختلاف کے پہلو کے ساتھ ۔“

قرآن کریم میں بعض ایسے احکام بیان ہوئے ہیں جو دوسرے ابراہیمی ادیان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کا حکم ہے کہ:

1. أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا۔ کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنانا۔
2. وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔ اور ماں باپ (سے بد سلوکی نہ کرنا بلکہ) اچھا سلوک کرتے رہنا۔
3. وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ۔ اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔
4. وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ بھٹکنا۔
5. وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ۔ اور کسی نفس کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے ناحق قتل نہ کرنا۔
6. وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ۔ اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔
7. وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ۔ اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔
8. وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ۔ اور جب (کسی کی نسبت) کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ (تمہارا) رشتہ دار ہی ہو۔
9. وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا۔ اور خدا کے عہد کو پورا کرو۔
10. وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ۔ اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور اور اُن رستوں پر نہ چلنا کہ (جن پر چل کر) خدا کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ (33)

ان آیتوں میں دس ایسی چیزیں بیان ہوئی ہیں جو کم و بیش یہودیوں کے احکام عشرہ میں بیان ہوئی جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں **ناصر مکارم شیرازی لکھتے ہیں:**

”این آیین دهگانه اختصاص به آیین اسلام ندارد بلکه در همه ادیان بوده است اگرچه در اسلام به صورت گسترده تر مورد بحث قرار گرفته است و در حقیقت همه آنها از فرمانهای است که عقل و منطق به روشنی آنها را درک میکند و به اصطلاح از مستقلات عقلیه اند و لذا در قرآن مجید و در آیین انبیا دیگر نیز این احکام کم و بیش دیده میشوند۔“ (34)

یعنی: ”یہ دس احکام صرف اسلام کے ساتھ مختص نہیں ہیں تمام ادیان میں یہ موجود ہیں (ہاں یہ بات ضرور ہے کہ) اسلام میں یہ احکام وسیع پیمانے پر مورد بحث قرار دیئے گئے ہیں اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ ایسے احکام ہیں کہ جنہیں عقل اور منطق بخوبی درک کرتی ہے دوسرے معنی میں یہ مستقلات عقلیہ میں سے ہیں۔ اسی لیے قرآن میں دوسرے انبیاء کے جو قوانین مذکور ہیں ان میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔“

بنابریں، یہ احکام صرف مسلمانوں میں موجود نہیں، بلکہ کئی دیگر ابراہیمی ادیان کے پیروکاروں کے ہاں بھی پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا ان جیسے احکام اور قواعد کو ادیان کے درمیان مسالمت آمیز تعلقات قائم کرنے کے لیے ایک پل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ الحاد سے متاثر موجودہ دور میں تمام الٰہی ادیان کے پیروکاروں کو مشترکات پر جمع ہونے اور انسانیت کے مسائل کا مشترکہ حل ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک یہودیت اور اسلام کے درمیا مشترکات کا تعلق ہے تو مزکورہ بالا احکام کے علاوہ بھی کئی امور میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ:

الف۔ دونوں ادیان معاد پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

ب۔ دونوں ادیان ایک شخصیت (حضرت ابراہیمؑ خلیل) کو اپنے لیے نمونہ قرار دیتے ہیں۔

ج۔ دینی تعلیمات کو دونوں ادیان وحی الٰہی قرار دیتے ہیں۔

د۔ نبوت اور رسالت پر دونوں عقیدہ رکھتے ہیں۔

ہ۔ دونوں ادیان آخرالزمان میں منجی بشریت کی آمد پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

و۔ دنیا میں قیام امن کو دونوں ادیان کے پیروکار ضروری سمجھتے ہیں۔

ز۔ اخلاقیات کے بہت سے اصول مشترک ہیں۔

ک۔ دونوں ادیان صلح اور آزادی پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

ل۔ دونوں ادیان سماجی عدالت کو معاشرے کی ضرورت سمجھتے ہیں۔(35)

دونوں ادیان کے درمیان تعلقات میں اس بات کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ آپس میں ہمزیستی اور بہتر تعلقات کا مطلب یہ نہیں کہ مخالف فریق کی ہر جائز اور ناجائز بات کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے۔ بہتر تعلقات کا مطلب یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک اپنے لیے حاصل تمام شخصی آزادی اور حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے معاشرے کے امن اور پائیداری کے لیے باہم جدوجہد کرنے کا مصمم ارادہ کرلیں اور ایسے تمام خطرات کے لیے جو دونوں ادیان اور اس کے پیروکاروں کو درپیش ہیں باہم مل بیٹھیں۔

اس قسم کے تعلقات کے نمونے ہمیں مدینہ میں مل جاتے ہیں جہاں پیغمبر اکرم ﷺ کے دور حکومت میں مسلمان اور یہودی باہم زندگی گزار رہے تھے حتی کی منافقین، جو اس زمانے ہیں مسلمانوں کے لیے اپوزیشن کی حیثیت رکھتے تھے، بھی مسلمانوں کے ساتھ مسالمت آمیز زندگی گزار رہے تھے۔ اس کے علاوہ، مشرکین بھی جو مسلمانوں کے سخت دشمن شمار ہوتے تھے، تمام شہری حقوق سے بہرہ مند تھے اور ان کے ساتھ لکم دینکم ولی دین(36) کے مطابق سلوک کررہے تھے۔ بہر حال اسلام اور یہودیت میں بہتر تعلقات کے لیے جن چیزوں کو محور قرار دیا جاسکتا ہے ان میں سے مندرجہ ذیل یہ بھی ہیں:

الف: ایک دوسرے میں مفاہمت کی فضا قائم کرنے اور ایک دوسرے کو درک کرنے کے لیے تعلقات قائم کئے جا سکتے ہیں چونکہ آج کے دور میں بہت ساری مشکلات ایک دوسرے کو منفی انداز میں درک کرنے سے پیدا ہوتی ہے جس کو قرآن نے سوظن کہہ کے اسے گناہ کے زمرے میں قرار دیا ہے۔ چونکہ اس سے ایک دوسرے کے بارے میں منفی تاثر پیدا ہوتا ہے جس کا آخری نتیجہ جدال اور فساد کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ فساد ہر ایک کے نزدیک مذموم عمل ہے اس کی طرف لے جانے والے ہر عمل کو مذہب نے ممنوع قرار دے کر اس کے ارتکاب سے لوگوں کو روکا ہے۔

ب: انسانی معاشرے کو موجودہ بحرانوں سے نکالنے کی خاطر مل کر کوشش وتلاش کرنے کے لیے بھی تعلقات قائم کئے جا سکتے ہیں۔ اس وقت انسانی معاشرے کو جو مشکلات اور خطرات لاحق ہیں وہ ناقابل شمار ہیں۔ ان تمام مشکلات پر انفرادی سطح پر قابو نہیں پایا جاسکتا ہے اس لیے دونوں ادیان کے تعلقات قائم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اگر اس پر مکمل کنٹرول نہیں کرسکیں تو کم از کم ان پر ایک حد تک قابو پایا جاسکتا ہے۔ اخلاقیات سے لے کر عقائد کی حد تک ہم مشترکہ مشکلات رکھتے ہیں چونکہ آج دنیا نے تیز رفتار اقتصادی ترقی کرکے انسانوں کو اتنا مصروف رکھا ہوا ہے کہ انہوں نے دین کو عملی طور پر اپنی انفرادی، اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی زندگی سے الگ کردیا ہے جو درحقیقت فطرت کے خلاف بغاوت کے زمرے میں آتا ہے۔ اس خلاف فطرت عمل سے روکنے کے لیے فطری اصولوں کی طرف بشر کی رہنمائی کی جاسکتی ہے۔

ج: دونوں ادیان کے درمیان درپیش مختلف بحرانوں کو کم کرنے کے لیے بھی ایک دوسرے کی طرف ہاتھ بڑھایا جاسکتا ہے۔ دور جدید میں دونوں ادیان کو درپیش مشکل یہ ہے کہ ان کے درمیان موجود اخلاقی اور معنوی تعلیمات کو پس پشت ڈالا گیا ہے جس کی وجہ سے دور جدید میں ہمیں دین ستیزی کی لہر کا

سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔اس بحران کو فی الفور قابو میں رکھنے کاآسان طریقہ یہ ہے کہ جدید دنیامیں قائم سسٹم میں مشترکہ اخلاقی تعلیمات کو بھی اس کا حصہ بنایا جائے تاکہ آج کے انسان جس طریقہ سے مسلسل اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو رہا ہے اس کا کوئی قابل قبول حل نکل جائے۔اس کے علاوہ دور جدید میں دونوں ادیان کو جس بحران کاسامنا ہے وہ مختلف عناصر کا دین کی شکل وصورت میں بگاڑ پیدا کرنا ہے جس کی وجہ سے دین کی اصلی شکل اور صورت سے دنیاآگاہی سے دور ہوتی جارہی ہے۔ اس صورتحال سے نکلنے کے لیے بھی مشترکہ کوششیں کام میں لائی جاسکتی ہیں۔اس کے علاوہ دونوں ادیان کے لیے جو چیز بحران کی شکل اختیار کرچکی ہے وہ دونوں ادیان میں موجود کچھ افراد کے ہاتھوں ایک دوسرے کے مذہبی مقدسات کی توہین ہے جس کی وجہ سے بھی بہت سے معاملات ابتری کی طرف جاتے ہیں اگرایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے توان تمام مسائل پر دونوں ادیان کے سنجیدہ افراد قابو پا سکتے ہیں۔(37)

*****

حوالہ جات

1۔سورہ نحل آیۃ97

2۔ڈاکٹر وہبہ الزہیلی، العلاقات الدولیۃ فی الاسلام ص ۳، دارالسلام ریاض

3-سورہ بقرہ

4۔سورہ آلِ عمران، آیت ٦۴

5-سورہ مائدہ، آیت ۵۱

6-مصباح یزدی، اخلاق در قرآن، ، ج ۳، انتشارات اطلاعات، تہران، ۱۳۷۰، ص ۴۱۵

7-سورہ بقرہ، آیت ۱۲۰

8-سورہ مائدہ، آیت ۸۲

9-سورہ آلِ عمران، آیت ۲۸

10-سورہ ممتحنہ، آیت ۱

11-سورہ مجادلہ، آیت ۲۲

12-سورہ توبہ، آیت ۲۳

13-عفیف عبدالفتاح، روح الدین الاسلامی، دارالکتب، لبنان، ص ۲٦۲

14-سنن ابی دوود، کتاب الدیات، حدیث ۳۹۱۱

15-سورہ ممتحنہ، آیت ۸

16۔ تسنیم، تفسیر قرآن کریم ج ۵، ص ۷۵

17۔عبدہ، محمد، ۱۴۱۲ق، نہج البلاغہ، قم، دار الذخائر۔ج ۳ ص ۸۹

18 من لایحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۴۰۴،

19۔ سنن ابو داوود، کتاب الادب، ۲۳۸۵

20۔تنبیہ الغافلین باحادیث سیدالانبیاوالمرسلین، ج ۱، ص ۸۰۹، ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم سمرقندیدارابن کثیر دمشق۔ بیروت ۱۴۲۱

21۔جنگ و صلح در قرآن، دکتر مجید خدوری، ناشر کلبہ شروق، قم، ۱۳۹۱

22۔ صحیح بخاری، کتاب رہن باب رہن درعہ، حدیث: ۲۵۰۹

23۔جلال الدین سیوطی، بیروت، دارالفکر ۱۴۰۱ق الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر، ج۱ص۴۶۸،

24۔کتاب احیاعلوم الدین، غزالی، ج۲، ص۶۰، قاہرہ،۱۳۳۹ھ

25۔البدایہ والنہایہ، ج۳، ص۵۰۷،ابن کثیر، قاہرہ۱۳۵۱ھ

26۔سورہ توبہ ۶۰

27۔بحارالانوار، ص۱۸۰، ج۱، مجلسی محمد باقر، موسسہ الوفا، بیروت، ۱۴۰۴ھ

28۔نہج البلاغہ، حکمت ۸۰

29۔تاریخ علوم در اسلام، تقی زادہ سید حسن، ص۱۱، تہران، فردوس، ۱۳۷۳

30۔تاریخ تمدن اسلام، ص۸، علی اصغر، تہران انتشارات بنیاد، ۱۳۶۵ش

31۔سورہ آل عمران، آیت ۶۴

32۔درآمدی بر تاریخ ادیان در قرآن، دکتر عبد الرحیم گواہی، ص۲۱۹، نشر دفتر فرہنگ اسلامی، ۱۳۷۴ش

33۔سورہ انعام، آیت ۱۵۱۔ ۱۵۳

34۔نمونہ، ج۶ص ۳۲۔ ۳۳، مکارم شیرازی ناحر، دارالقرآن، قم ۱۳۷۳ش

35۔ترابی، علی اکبر ۱۳۸۳ش، مشترکات بین ادیان زمینہ گفت گو، مجلّہ اندیشہ حوزہ، ش۴۶

36۔کافرون ۶

37۔ گفتگو در قرآن، محمد مہدی نیا، رواق اندیشہ، شمارہ ۲۹